ہم سے ملیں تو ہم پوچھ کر مکالمہ کریں گے، گلوکار رضا

ڈھائی گھنٹے کی ریکارڈنگ کو 47 منٹ کے البم میں سمیٹنا ایک اذیت ناک عمل تھا، گلوکار رضا کا اعتراف

(نمائندہ/ایڈیٹر ہم سے ہفتہ وار ڈائجسٹ)

سندھ ٹیلی ویژن کے ریکارڈنگ فلور پر جب گلوکار رضا نے اپنا البم ریکارڈ کروایا تو ساؤنڈ انجینئر نے کہا کہ ڈھائی گھنٹے کی ریکارڈنگ کو 47 منٹ کے البم میں سمیٹنا ایک اذیت ناک عمل تھا۔ گلوکار رضا نے اس تجربے کو اپنی زندگی کا سب سے مشکل فیصلہ قرار دیا۔ البم میں کل 9 گانے شامل ہیں جن میں 3 غزلیں اور 6 لوک گیت ہیں۔ البم کا نام ’ریت کے دیپ‘ رکھا گیا ہے۔ گلوکار رضا نے کہا کہ ہر گانے کو ریکارڈ کرتے وقت وہ اس کے پس منظر میں بجنے والے ساز کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے رہے۔ ان کے مطابق گلوکار کی آواز اکیلی نہیں ہوتی، اس کے پیچھے ایک پورا ماحول ہوتا ہے جو سننے والے کو محسوس ہونا چاہیے۔

البم میں استعمال ہونے والے ساز میں ہارمونیم، سارنگی اور ڈھولک نمایاں ہیں۔ ریکارڈنگ کے دوران ساؤنڈ انجینئر نے تجویز دی کہ ایک گانے میں بانسری شامل کی جائے تاکہ اس کا تاثر زیادہ گہرا ہو سکے۔ گلوکار رضا نے اس تجویز کو مان لیا اور بانسری کی دھن گانے کے درمیان میں شامل کی گئی۔ ان کے مطابق یہ فیصلہ آخری لمحے پر کیا گیا اور یہی فیصلہ البم کا سب سے یاد رہنے والا حصہ بن گیا۔ ریکارڈنگ کے دوران کئی بار ایسا ہوا کہ گلوکار نے ایک گانا دوبارہ گایا اور ہر بار پچھلی ریکارڈنگ سے بہتر محسوس ہوا۔

البم کی ریکارڈنگ میں کل 14 گھنٹے لگے جس میں 5 گھنٹے صرف ساؤنڈ چیک اور ساز کی ترتیب پر لگے۔ گلوکار رضا نے کہا کہ ان کے والد نے بھی کبھی ریڈیو پر گایا تھا اور وہ اس البم کو اپنے والد کے نام کرنا چاہتے تھے۔ البم کا ٹائٹل ٹریک ان کے والد کی پسندیدہ دھن پر مبنی ہے۔ البم کی تقریب رونمائی 12 مئی کو کراچی میں ہوگی جس میں مقامی میڈیا اور موسیقی کے شائقین کو مدعو کیا گیا ہے۔

البم کی ریکارڈنگ کے دوران پیش آنے والی تکنیکی دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے گلوکار رضا نے بتایا کہ ایک گانے میں بجلی کی معمولی سی کٹوتی نے پوری ریکارڈنگ خراب کر دی تھی۔ اس وقت ٹیم نے فیصلہ کیا کہ اگلے دن صبح سے دوبارہ شروع کیا جائے گا۔ اگلی صبح ریکارڈنگ مکمل ہوئی اور وہی ٹیک البم میں شامل کیا گیا۔ گلوکار رضا کے مطابق یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کبھی کبھی رکاوٹ بھی فن کو بہتر بنا دیتی ہے۔

(نمائندہ/ایڈیٹر ہم سے ہفتہ وار ڈائجسٹ)

ہفتہ وار ڈائجسٹ کے ایڈیٹر ایوارڈ یافتہ صحافی اور ماہر تعلیم ڈاکٹر نسرین جلال نے کہا ہے کہ ملک میں تعلیمی اصلاحات کے نام پر جو پالیسیاں بار بار تبدیل کی جاتی ہیں وہ سب سے زیادہ نقصان اسکول جانے والے بچوں کا کر رہی ہیں۔ ان کے مطابق ہر نئی پالیسی کے ساتھ نصاب، امتحانی نظام اور ذریعۂ تعلیم میں جو تبدیلی آتی ہے اس کا بوجھ براہِ راست طلبہ اور اساتذہ پر پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پالیسی ساز ایوانوں میں بیٹھ کر فیصلے کرتے ہیں مگر ان کے نتائج کا سامنا کلاس روم میں بچہ اور استاد کرتا ہے۔

ڈاکٹر نسرین جلال نے کہا کہ سرکاری اسکولوں میں اساتذہ کی کمی اور غیر تربیت یافتہ عملے کا مسئلہ سب سے بڑا ہے۔ ان کے مطابق کئی اسکولوں میں ایک ہی استاد پانچ جماعتوں کو پڑھاتا ہے اور بعض علاقوں میں طالبات کے لیے الگ اسکول موجود ہی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب تک ہر بچے کے لیے قریب اسکول اور تربیت یافتہ استاد یقینی نہیں بنایا جاتا، کوئی پالیسی کاغذ پر اچھی لگے گی مگر زمین پر اثر نہیں کرے گی۔ ان کے مطابق بجٹ کا بڑا حصہ تنخواہوں پر خرچ ہو جاتا ہے اور تربیت کے لیے رقم برائے نام رہ جاتی ہے۔

ڈاکٹر نسرین جلال نے نجی اسکولوں کی فیسوں کے بارے میں کہا کہ والدین پر معاشی بوجھ اتنا بڑھ چکا ہے کہ کئی خاندان بچوں کو اسکول سے نکالنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ ان کے مطابق سرکاری اسکولوں کا معیار بہتر کیے بغیر نجی اسکولوں کی فیسوں پر کوئی مؤثر گرفت ممکن نہیں۔ انہوں نے تجویز دی کہ ہر یونین کونسل میں ایک معیاری اسکول قائم کیا جائے اور نجی اسکولوں کے منافعے کا ایک حصہ تعلیمی فنڈ میں جمع کیا جائے۔ ان کے مطابق یہ ماڈل کم لاگت میں بڑے نتائج دے سکتا ہے۔

ڈاکٹر نسرین جلال نے امتحانی نظام پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ رٹا لگوانے والا امتحان بچے کی صلاحیت نہیں ناپتا۔ ان کے مطابق طلبہ سے تخلیقی سوچ اور مسئلہ حل کرنے کی صلاحیت مانگی جاتی ہے مگر نصاب اور امتحان اس کے برعکس ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب تک امتحان کا ڈھانچہ نہیں بدلتا، استاد بھی وہی پرانا طریقہ اپنائے رہیں گے کیونکہ انہیں نتائج اسی بنیاد پر ملتے ہیں۔ ان کے مطابق امتحانی مراکز میں نقل کا رجحان بھی اسی نظام کی پیداوار ہے۔

ڈاکٹر نسرین جلال نے اساتذہ کی تربیت کے بارے میں کہا کہ ہر استاد کو ہر سال کم از کم 40 گھنٹے تربیت ملنی چاہیے مگر عملاً یہ تعداد بہت کم ہے۔ ان کے مطابق تربیت کا مواد کتابی ہے اور کلاس روم کی حقیقی صورتحال سے کٹا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تربیت کو اساتذہ کی تنخواہ سے جوڑا جائے تو نتائج بہتر ہو سکتے ہیں۔ ان کے مطابق ایک استاد جو خود سیکھتا ہے وہ اپنے شاگرد کو بھی سیکھنے کا ماحول دیتا ہے۔

ڈاکٹر نسرین جلال نے کہا کہ والدین کو بچوں کی تعلیم میں شامل کرنا سب سے سستا اور مؤثر طریقہ ہے۔ ان کے مطابق والدین اگر ہر ہفتے ایک گھنٹہ اسکول جائیں تو استاد کی کارکردگی میں فرق پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کئی علاقوں میں والدین کمیٹیاں موجود ہیں مگر وہ کاغذ پر ہیں۔ ان کے مطابق ان کمیٹیوں کو فعال کیا جائے تو وہ اسکول کی نگرانی کر سکتی ہیں۔ ڈاکٹر نسرین جلال نے کہا کہ میڈیا بھی اس مسئلے پر مسلسل رپورٹنگ کرے تو پالیسی ساز دباؤ میں آتے ہیں۔

ڈاکٹر نسرین جلال نے نصاب میں مقامی زبانوں اور ثقافت کو شامل کرنے کی تجویز دی۔ ان کے مطابق بچہ جب اپنی زبان میں پڑھتا ہے تو سیکھنے کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں مقامی زبان میں ابتدائی تعلیم دینے کے تجربات ہوئے ہیں جن کے نتائج حوصلہ افزا رہے ہیں۔ ان کے مطابق یہ تجربات پورے ملک میں دہرائے جانے چاہئیں